# التقریظ والانتقاد

## مکاتیب شیخ الاسلام حصہ اول

از

(سعید احمد)

مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔ کتابت وطباعت اعلیٰ ضخامت ۴۵۲ صفحات تقطیع کلاں قیمت ۶ ؍ پتہ :۔ (۱) نجم الدین صاحب اصلاحی سید ہادی۔ اعظم گڈھ (۲) محمد اسعد ومحمد ارشد راجہ پور سکرور۔ سرائے میر اعظم گڈھ۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی ذات بابرکات اسلامی فضائل اخلاق اور دینی اوصاف وکمالات کی جامعیت کے اعتبار سے اس دور میں سلف صالحین کا ایک سچا نمونہ اور بہت ہی روشن مثال ہے۔ آپ اسلامی اور عربی علوم وفنون کے وسیع النظر اور مبصر عالم۔ سلوک ومعرفت اور طریقت وتصوف کے بحر ناپید اکنار کے کامیاب شناور۔ اور میدانِ جہاد فی سبیل اللہ کے نہایت سرگرم و پرجوش شہسوار اور اخلاق ومکارم کے بہت ہی حسین پیکر ہیں قدرت نے علم وعمل کی یہ سب خوبیاں بیک وقت آپ کی شخصیت میں اس طرح جمع کردی ہیں کہ ہندوستان تو کیا پورے عالم اسلام میں بھی شاید مشکل سے ہی دو تین اس طرح کی جامع الصفات شخصیتیں نکل سکیں۔ متع اللہ المسلمین بطول بقائہ وحیاتہ۔ زیر تبصرہ کتاب مولانا مدظلہ العالی ہی کے ان مکاتیب وخطوط کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے مریدوں، معتقدوں، دوستوں اور حاشیہ نشینوں کو لکھے ہیں اگرچہ لائق مرتب نے ان مکاتیب میں ترتیب کا کوئی خاص التزام نہیں کیا ہے جیسے وہ اگر ذرا اور توجہ سے کام لیتے

تو با آسانی کر سکتے تھے تاہم مضامین اور مشتملاتِ خطوط کے اعتبار سے بنیادی طور پر ہم ان مکاتیب کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک بہت بڑا اور غالب حصہ تو ان مکاتیب کا ہے جن میں کسی ایک سوال یا سوالات کے جواب میں کسی علمی یا دینی مبحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ بے شبہ یہ حصہ مولانا کے فضل وکمال اور علمی وسعت نظر و معلومات کی ایک بڑی روشن دلیل ہے، اس میں تفسیر و حدیث، فقہ و فتاویٰ علم کلام و عقائد۔ سلوک و معرفت، تاریخ و سیر اور اقتصادیات و اخلاقیات کے خالص ٹھوس اور علمی حقائق پر سیر حاصل اور بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے اور کمال یہ ہے کہ اکثر و بیشتر خطوط جن میں سے اکثر فرداً فرداً ایک مستقل علمی مقالہ کا حکم رکھتے ہیں، ریل میں اسٹیشن پر یا جیل خانہ میں قلم برداشتہ در جستہ لکھے گئے ہیں اور اس کے باوجود معلومات کا یہ حال ہے کہ امنڈی چلی آرہی ہیں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا تو کہنا ہی کیا ہے مشائخ و اولیائے کرام کے ملفوظات انھیں کے لفظوں میں اور دوسری کتب متعلقہ کی عبارتیں تک مع صفحات کے حوالہ کے نقل کردی گئی ہیں۔ درحقیقت استحضار معلومات کا نام ہی رسوخ فی العلم ہے جو مولانا کو بدرجۂ اتم حاصل ہے ورنہ دس بارہ کتابیں سامنے رکھ کر کوئی مقالہ لکھ دینا اور محقق کہلانا آج کا ایک عام فیشن ہے جس کو رسوخ فی العلم نہیں کہا جا سکتا۔ اس وصف کے علاوہ ان خطوط سے مولانا کے ایک اور کمال پر بھی روشنی پڑتی ہے جو غالباً عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہے۔ اب تک مولانا ابوالکلام آزاد کی ہی یہ خصوصیت سمجھی جاتی تھی کہ ان کو اشعار بے شمار یاد ہیں اور وہ جگہ جگہ اپنی تحریروں میں ان کو موقع موقع سے بٹھاتے چلے جاتے ہیں لیکن ان خطوط سے معلوم ہوا کہ اس وصف خاص میں مولانا مدنی بھی مولانا آزاد سے کم نہیں ہیں بلکہ اس حیثیت سے ان کا قدم آگے ہی ہے کہ مولانا آزاد کے ہاں صرف فارسی کے اشعار ملیں گے اور وہ بھی زیادہ تر وہ جن میں رندی و سرشاری کے مضامین ہوں گے اس کے برخلاف مولانا مدنی کی تحریروں میں فارسی اور اردو کے بہترین اشعار کے ساتھ ساتھ عربی کے بھی بکثرت و بافراط نہایت عمدہ اور بلند اشعار ملیں گے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ ہندی بھاشا کے نرم و نازک اور رسیلے شعر خاصی تعداد میں نظر آئیں گے، علاوہ بریں خطوط کی زبان بھی صاف و سلیس اور شگفتہ و رواں ہے اگرچہ مولانا حالی کی طرح مولانا مدنی بھی انگریزی الفاظ استعمال کرنے میں کوئی

مضائقہ نہیں سمجھتے خطوط کا یہ حصّہ بلا ریب معلومات افزا بھی ہے۔ اور بصیرت افروز بھی روح پرور بھی ہے اور ایمان آفریں بھی جن کے مطالعہ سے دل اور دماغ بھی شاد کام ہوتے ہیں اور جوش عمل ویقین کامل کی دولت بھی میسر آتی ہے، فاضل مرتب نے ان خطوط کی جمع وترتیب اور ان کی اشاعت کر کے علم اور دین کی ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ان مکاتیبِ گرانمایہ کے علاوہ چند خطوط وہ ہیں جو بالکل پرائیویٹ اور نجی خطوط کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں جہاں وقت کے سیاسی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور مولانا نے اپنے سیاسی مسلک کی وضاحت اصولی طور پر کی ہے ہمارے نزدیک اُن کی اشاعت میں نہ صرف یہ کہ کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ بلکہ اُن کی اشاعت اس لئے ضروری تھی کہ اُن سے مولانا کے سیاسی نقطۂ نظر اور اُن کے بلند کردار کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن انہیں خطوط کا وہ حصّہ جن میں مولانا نے ملکی سیاسیات یا معاملات دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں اپنے بعض معاصرین کی نسبت رنج وملال اور کبیدگی خاطر کا اظہار کیا ہے۔ ہماری رائے میں ان کی اشاعت میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے کام لیا گیا ہے اس سلسلہ میں ہم مولانا سے تو کیا عرض کریں کہ چند غیر ذمہ دار لوگوں کی تحریروں پر اپنے عمر بھر کے رفیق اور حضرت شیخ الہند کے معتمد علیہ سے بدگمان ہوجانا اُن کی حوصلہ مندی اور علوِ ظرف کی شان کے شایان نہیں ہے۔ البتہ فاضل مرتب سے یہ ضرور کہیں گے کہ ہر بزرگ کا قول اور عمل ہر موقع پر اور ہر جگہ نقل کرنے اور شائع کرنے کے لائق نہیں ہوتا۔ جہاں تک معاملات دیوبند کا تعلق ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا ۴۲ء کی تحریک کے سلسلہ میں قید فرنگ میں تھے۔ اور دیوبند کے صدر مہتمم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مہتمم مولانا محمد طیب تھے۔ کانگریس کی تحریک میں حصّہ لینے کے باعث دارالعلوم دیوبند میں چند ناگوار واقعات پیش آئے۔ حضرت مولانا کو ان کی نسبت اُن کے بعض حاشیہ نشینوں نے جو اطلاعات جس رنگ میں پہنچائیں۔ مولانا آخر انسان ہی تھے فرشتہ نہیں تھے اور نہ پیغمبر کی طرح معصوم تھے اُن سے طبعًا رنجیدہ اور ملول ہونا ناگزیر تھا۔

ان خطوط میں اسی ملال کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن تصویر کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جنگ آزادی وطن کے سرفروش سپاہی جن کو نہ تعلیم سے دلچسپی تھی اور جو نہ مدرسہ کے قواعد وضوابط کی پروا کرتے تھے ان لوگوں نے توہین وتذلیل کا کوئی طریقہ ایسا نہیں تھا جو حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں اٹھا رکھا ہو چنانچہ مولانا مرحوم نے خود ہم سے کئی مرتبہ انتہائی غمگین اور آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ ان لوگوں نے دیوبند میں میرا رہنا تو کجا گھر سے نکل کر مسجد تک آنا اجیرن کر دیا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ ڈابھیل یا حیدرآباد جا کر مقیم ہو جاؤں۔ یہ لوگ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف قلمی اشتہار نکالتے تھے، اشعار لکھتے اور اُن کو گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں مشتہر کرتے تھے۔ مولانا کے مکان کے سامنے سے گذرتے تو توہین آمیز نعرے لگاتے ہوئے جاتے تھے اس مجموعہ کے خطوط نمبر ۱۲۰ اور ۱۲۹ اور ۱۳۰۔ ۱۳۱ میں ظاہر ہے کہ مولانا کا گوشۂ نظر مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب اور مولانا محمد طیب کی طرف ہے ان میں سے موخر الذکر تو اس وقت بھی مہتمم تھے اور آج بھی ہیں اور بقید حیات ہیں اس لئے انہوں نے تو اس مجموعہ کے شروع میں جو مقدمہ لکھا ہے اُس میں اپنی مخصوص متصوفانہ زبان میں یہ لکھکر کہ "مولانا مدنی کے معاملات کی نوعیت اور افتاد طبع سے واضح ہے کہ ان پر بغض فی اللہ کا غلبہ ہے" (ص ۱۰) اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا ہے اور اس لطیف طریقہ پر کہ غالباً فاضل مرتب کو اس کا احساس بھی نہیں ہو سکا ہے۔ ورنہ وہ اس کو شریک اشاعت ہی نہیں کرتے، رہ گئے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی تو وہ اب اس دنیا میں نہیں۔ اس لئے اب کون ان کی طرف سے صفائی پیش کرے اور کون کہے کہ۔

بھول جا گذرے ہوئے دن بھول جا ۔۔۔ بعد مردن اب نہ دل میں رکھ ملال

کون نہیں جانتا کہ مولانا مرحوم عملاً سیاسی آدمی کبھی بھی نہیں رہے اور اس میدان میں وہ تقریر اور رائے کی حد سے ذرا آگے نہیں بڑھے۔ لیکن اپنے اس محدود دائرہ میں وہ ہمیشہ جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ رہے آخر کے چند سالوں میں اُن کو اس سے اختلاف پیدا ہوا۔ لیکن یہ اختلاف دیانتداری پر مبنی تھا اور آج مسلمان جس دور ابتلاء آزمائش سے گذر رہے ہیں اس کے پیش نظر تو اب یہ فیصلہ

کرنا بھی مشکل ہے کہ کون حق پر تھا اور کون حق پر نہیں تھا۔ نہ وہاں قرآنی اور اسلامی حکومت ہے اور نہ یہاں مسلمانوں کو سکھ اور چین نصیب ہے۔

یں حکایتِ غمِ آرزو تو حدیثِ ماتمِ دلبری

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ فاضل مرتب نے حضرت مولانا مدنی کے ایک جملہ کی تشریح اپنے حاشیہ میں اس طرح کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے اشارہ پر اسلام کو نقصان پہونچا رہے تھے اور وہ اُس کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے حالانکہ مولانا کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔ مولانا مکتوب نمبر ۱۲۷ میں فرماتے ہیں "مولوی شبیر احمد صاحب اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو اپنے سے جدا نہ ہونے دیجئے۔ اسلام کی خیر اسی میں ہے" (ص ۳۰۶) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کانگریس کی طرف سے بد دلی پیدا ہو رہی ہے اس لئے ان دونوں بزرگوں کو اپنے ساتھ لگائے رکھئے۔ اگر ان دونوں حضرات نے کسی فرقہ وارانہ جماعت کی سرپرستی شروع کر دی تو اس سے تحریک آزادی کو نقصان پہنچے گا۔ لیکن فاضل مرتب نے مولانا مدنی کے اس جملہ پر جو حاشیہ لکھا ہے اُس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فقرہ جو حضرت نے اسارت مالٹا سے واپسی پر ساحل بمبئی پر اتر کر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ اس فقرہ سے حضرت مدنی کے مذکورۂ بالا فقرہ کا جوڑ لگا کر یہ باور کرانا چاہا ہے کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے شیخ الہند کو گرفتار کرایا تھا اور مولانا شبیر احمد صاحب حضرت مولانا مدنی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے"۔

بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

کوئی بتائے کہ اللہ کی اس سرزمین پر اُس قوم کو جینے کا کیا حق ہے جس کا حسین احمد تحریک آزادی کی مشترکہ جد و جہد کے لئے کانگریس سے تعاون کو ضروری سمجھے تو ہندو نواز اور اسلام دشمن کہلائے اور جس کا شبیر احمد کانگریس اور ہندوؤں کی تنگ نظری کا تجربہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک الگ پلیٹ فارم مانگے تو حکومت کا آلۂ کار اور اسلام کا غدار بنجائے۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اختلاف رائے ایمانداری اور دیانت کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر شخص جو بھی کام کر رہا ہے

ذاتی غرض اور ہوائے نفس کے لئے کر رہا ہے۔ اعاذنا اللہ من شرور انفسنا اس سلسلہ میں فاضل مرتب کو صفحہ ۳۰۸ پر ایک دھوکہ بھی ہوا ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں شمس العلماء کا خطاب مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کو نہیں بلکہ حافظ محمد احمد صاحب مرحوم صدر مہتمم کو ملا تھا اور وہ بھی تحریک خلافت کے زمانہ میں انہوں نے عطائے تو بر لقائے تو کے مطابق حکومت کو واپس کر دیا تھا۔ علاوہ بریں لائق مرتب نے اور چند حضرات کی نسبت بھی اپنے حواشی میں ذاتی اور شخصی ریمارک کئے ہیں جنہوں نے اس مجموعۂ حسن و خوبی کی ثقاہت اور متانت کو مجروح کر دیا ہے۔ ان چند فروگذاشتوں کو چھوڑ کر فاضل مرتب نے جا بجا شریعت و طریقت کے احکام و مسائل اور ان کے مصطلحات پر جو حواشی لکھے ہیں وہ بجائے خود بہت مفید اور عالمانہ ہیں اور انہوں نے اس مجموعۂ مکاتیب کی افادیت کو دوگنا کر دیا ہے اس بنا پر ارباب علم و ذوق کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے آیندہ حصص کی اشاعت کے بارہ میں ہمارا مشورہ یہ ہے کہ حضرت مولانا کے مکاتیب کو کئی جلدوں میں اس ترتیب سے شائع کیا جائے۔

(۱) دینیات۔ اس میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ وغیرہ کے مسائل پر خطوط ہوں۔

(۲) عرفانیات۔ تصوف اور سلوک و معرفت کے مسائل پر خطوط۔

(۳) عقلیات۔ تاریخ۔ علم کلام۔ اور فلسفہ پر خطوط۔

(۴) سیاسیات۔ سیاسی معاملات و مسائل پر خطوط۔

(۵) متفرقات۔ نجی۔ اور معاشرتی یا ادبی مسائل پر خطوط۔

پھر نجی خطوط کا جہاں تک تعلق ہے اُن میں اس کا خیال رکھا جائے کہ کسی شخص پر کوئی طنز اور تعریض نہ ہو جس سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہو۔ یہ خط جب تک مولانا کی نظر سے از اوّل تا آخر نہ گذر جائیں اور مولانا ان کی اشاعت کی اجازت بھی نہ دیدیں اس وقت تک اُن کو ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ بعض خطوط ایسے ہوں گے کہ ایک ہی خط میں مولانا نے متفرق عنوانات پر گفتگو کی ہوگی اور محنت تو کرنی پڑے گی لیکن ان کے بارہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے خطوط کو

یک جائی طور پر شائع نہ کیا جائے بلکہ ان کے ٹکڑے کر دئے جائیں اور ہر ہر ٹکڑہ حسب عنوان کے ماتحت آئے اس کو وہاں درج کیا جائے۔ مکاتیب کی اشاعت اگر اس ترتیب سے کی گئی تو بے شبہ علم و معرفت اور شریعت و طریقت پر اعلیٰ کے درجہ کا یہ ایک بیش بہا گنجینہ ہاتھ لگ جائے گا۔

# مسلمانوں کا عروج اور زوال

## جدید اور مکمّل ایڈیشن

اس کتاب میں اوّلاً خلافتِ راشدہ اس کے بعد مسلمانوں کی دوسری مختلف حکومتوں، ان کی سیاسی حکمت عملیوں اور مختلف دوروں میں مسلمانوں کے عام اجتماعی اور معاشرتی احوال و واقعات پر تبصرہ کر کے ان اسباب و عوامل کا تجزیہ کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے غیر معمولی عروج اور اس کے بعد ان کے حیرت انگیز انحطاط و زوال میں موثر ہوئے ہیں، طبع ثانی جس میں کتاب کے بہت سے حصوں کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے جو ابواب پہلے ایڈیشن میں رہ گئے تھے ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اندلس جو مسلمانوں کے عروج و زوال کی عجیب و غریب اور غالباً سب سے زیادہ المناک اور پر حسرت یادگار ہے، پہلے ایڈیشن میں اسے بخوف طوالت چھیڑا ہی نہیں گیا تھا اس مرتبہ ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کے بعد زیادہ سے زیادہ مختصر اور جامع الفاظ میں اس داستانِ عبرت خیز کے وہ تمام ٹکڑے لے لئے گئے ہیں جن کا تعلق اس سرزمین پر مسلمانوں کے انتہائی عروج اور پھر لرزہ بر اندام انحطاط و زوال سے ہے۔

درسِ عبرت نامکمل رہ جاتا اگر اسپین کے ذکر کے ساتھ خود اپنے وطن ہندوستان کی یاد تازہ نہ کی جاتی چنانچہ اس دفعہ یہ کمی بھی پوری کر دی گئی ہے اور اس ملک میں مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کا کامیاب تجزیہ کیا گیا ہے اور تاریخی بصیرت کے جواہر ریزے بکھیرے گئے ہیں۔ ان تفصیلی اضافوں کے بعد اس موضوع پر یہ کتاب بہت ہی نفیس اور بلند پایہ کتاب ہو گئی ہے بڑی تقطیع صفحات ۴۸۰ قیمت چار روپے مجلد پانچ روپے۔